سبق: 5

تعلیم القرآن

آن لائن اکیڈمی

(سورۃ ھود ،آیت 50 تا 60)

وَ اِلٰی عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا ؕ قَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ ؕ اِنْ اَنْتُمْ

اور قوم عاد کی طرف ان کے بھائی ہود (علیہ السلام) کو بھیجا، انھوں نے کہا اے میری قوم! اللہ کی عبادت کرو، اس کے علاوہ تمھارا

آیت 50 وَ اِلٰی عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا: قومِ نوح کی نافرمانیوں پر عذاب کے تذکرہ کے بعد اب قومِ عاد کا ذکر ہو رہا

اِلَّا مُفْتَرُوْنَ ﴿۵۰﴾

کوئی معبود نہیں۔تم (شرک کر کے) محض جھوٹ باندھنے والے ہو ﴿50﴾

ہے۔تاریخ کی کتب میں یہ بات لکھی گئی ہے کہ نوح علیہ السلام کی قوم پر عذاب کے بعد جو لوگ بچا لیے گئے ان کے بعد ان کی نسل سے جو قوم آباد ہوئی اس کا نام عاد تھا۔ افراد تو مختلف مقامات پر ہوتے ہیں لیکن قوم ہمیشہ بہت سارے قبیلوں کے ملنے سے بنتی ہے۔آدم علیہ السلام کی اولاد بھی مختلف علاقوں میں پھیلی ہوئی تھی،جب وہ ایک جگہ پر قوم بنی تو وہاں اللہ تعالیٰ نے پھر نوح علیہ السلام کو مبعوث فرمایا۔ اسی طرح نوح علیہ السلام کی قوم کے کچھ لوگوں کو جب بچا لیا گیا تو ان کی نسل آگے پھیلنے سے جو قوم بنی وہ قومِ عاد تھی۔ اللہ رب العالمین نے اسی قوم کی طرف ہود علیہ السلام کو نبی بنا کر بھیجا۔ اس آیت میں " اَخَاھُمْ " کا لفظ آیا ہے، یہ لفظ ثمودیوں اور مختلف انبیاء علیہم السلام کے تذکرہ کے دوران بھی استعمال ہوا ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ وہ نبی ان کے قبیلے، خاندان، برادری اور نسل میں سے ہی تھے۔

قَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ: ''انھوں نے کہا اے میری قوم! اللہ کی عبات کرو، اس کے علاوہ تمھارا کوئی معبود نہیں ہے۔'' غیر اللہ کو الٰہ بنانے، اپنی طرف سے نت نئے عقیدے گھڑ لینے، خود ساختہ تصورات پیش کرنے اور ان کی پوجا پاٹ کا اسلام میں کوئی تصور نہیں ہے۔ اللہ کے سوا کوئی دوسرا الٰہ ہو ہی نہیں سکتا۔ یہاں اسلوبِ دعوت بھی واضح ہو رہا ہے کہ ہود علیہ السلام نے قوم کے مشرک لوگوں کو " یٰقَوْمِ " (اے میری قوم!) کہہ کر مخاطب کیا ہے۔یعنی انھیں کافر اور مشرک ہونے کا طعنہ نہیں دیا بلکہ وہ ہمدردی جو قوم، خاندان اور برادری کی وجہ سے انھیں مل سکتی تھی اسی کو انھوں نے اپنے تعلق کی بنیاد بنایا اور عمدہ اور شان دار اسلوبِ دعوت اختیار کیا ہے۔ ہود علیہ السلام نے اپنی قوم پر واضح کیا کہ میرے دل میں تمھاری خیر خواہی ہے اور اس خیر خواہی کی وجہ سے ہی میں تمھیں رب تعالیٰ کے دین کی طرف دعوت دیتا ہوں۔

اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا مُفْتَرُوْنَ: اگر تم اس دعوت کو قبول نہیں کرتے اور شرک میں مبتلا رہتے ہو تو پھر اس بات پر غور کرو کہ اس شرک کی حقیقت کیا ہے۔ یہ شرک محض چند قصے کہانیوں اور مفروضوں کے سوا کچھ نہیں ہے۔ بغیر دلیل کے کسی کو اپنا الٰہ بنا لینا بہت بڑا جھوٹ اور افتراء ہے۔ ایسا جھوٹ جسے جان بوجھ کر بولا جائے اور بولنے والے کو اس بات کا علم ہو کہ وہ جھوٹ بول رہا ہے، اسے افتراء کہتے ہیں۔ اللہ رب العزت فرماتے ہیں کہ یہ ایسا صاف اور کھلا جھوٹ ہے کہ تھوڑا سا غور کرنے پر تمھیں اس کی حقیقت بالکل واضح طور پر سمجھ آ سکتی ہے۔ افسوس اس بات کا ہے کہ تم نے سوچ بچار کا سارا معاملہ ہی ختم کر رکھا ہے۔ شرک انسان کی صلاحیتوں کو ختم کرتا ہے اور اس سے سوچ و فکر کے دروازے بند ہو جاتے ہیں۔ یہ رب تعالیٰ کی نافرمانی کے اثرات ہوتے ہیں کہ بندوں کو حق بات کی سمجھ نہیں آتی جبکہ دوسری طرف

يٰقَوْمِ لَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا ؕ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى الَّذِيْ فَطَرَنِيْ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۵۱﴾

اے میری قوم! میں تم سے کسی اجر کا سوال نہیں کرتا، میرا اجر صرف اس کے ذمے ہے جس نے مجھے پیدا کیا۔ تو کیا تم نہیں سمجھتے؟ (51)

اللہ کی توحید انسان کی صلاحیتوں کو اجاگر کرتی ہے اور اس سے بندوں کا ذہن پختہ ہوتا ہے۔

آیت 51 **يٰقَوْمِ لَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا:** ہود علیہ السلام اپنی قوم سے کہتے ہیں کہ میں تمھارے سامنے جو دعوت پیش کر رہا ہوں اس کے عوض میں نے تم سے کچھ نہیں لینا۔ میرے دل میں کوئی لالچ نہیں ہے اور میرا سارے کا سارا معاملہ اللہ کے ساتھ ہے۔ تم اس چیز سے میرے اخلاص، ہمدردی اور خیر خواہی کو سمجھ سکتے ہو۔ یہ بات حقیقت ہے کہ لالچ انسان کو بہت سارے دوسرے ذاتی مفادات سے وابستہ کر دیتا ہے لیکن جب کسی قسم کا کوئی لالچ نہ ہو تو پھر یہ چیز نہیں ہوتی۔ آیت میں "اَجْرًا" کے لفظ پر تنوین ہے۔ نکرہ جب نفی کے سیاق میں آجائے تو عموم کا فائدہ دیتا ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ میں نے تم سے تھوڑا یا زیادہ اجر کچھ بھی نہیں لینا۔ سورۂ شعراء سمیت دوسری کئی مکی سورتوں میں نبیوں کی دعوت میں یہ چیز ملے گی کہ میں تم سے کچھ نہیں مانگتا، میں نے تم سے کوئی مزدوری نہیں لینی اور میں نے سارا اجر اپنے رب سے لینا ہے۔ امتِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے داعیان کے لیے بھی یہ چیز بہت بڑی دعوت ہے کہ انھیں ہر قسم کا مفاد ختم کر کے پورے اخلاص کے ساتھ دعوت پیش کرنی چاہیے اور لوگوں کو بھی یہ بات باور کروانی چاہیے کہ اگر میں تمھیں دین کی دعوت دے رہا ہوں تو اس کے بدلے میں مجھے تم سے کچھ نہیں چاہیے۔ ایسے ہی اگر ہم جہاد کر رہے ہیں تو اس حوالے سے بھی ہمارا کوئی مطالبہ نہیں ہے۔ ہم تو جہاد کو اللہ کا حکم سمجھ کر قربانیاں و شہادتیں پیش کر رہے ہیں۔ جب یہ بات باور کروائی جائے گی تو یقیناً اس کا اثر بہت گہرا ہو گا اور لوگ سوچنے پر مجبور ہو جائیں گے۔

اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى الَّذِيْ فَطَرَنِيْ: "میرا اجر صرف اس کے ذمے ہے جس نے مجھے پیدا کیا ہے۔" میرے رزق کی ذمہ داری بھی اسی نے اٹھائی ہے۔ وہ مجھے کبھی بھوکا نہیں رکھے گا اور نہ ہی محروم کرے گا۔ میرا ایمان اور توکل اپنے رب پر بہت پختہ ہے۔ میں نے سب کچھ اسی سے لینا ہے۔ تم یہ مت سوچنا کہ اگر تم نہیں دو گے تو میرے لیے کسی قسم کی کوئی مشکل ہو گی، ایسا کچھ نہیں ہے۔

اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ: "تو کیا تم نہیں سمجھتے؟" یعنی اتنی واضح بات تمھاری سمجھ میں نہیں آتی کہ میں نے تم سے کوئی معاوضہ نہیں مانگا۔ جب میری دعوت کا یہ معاملہ کسی دنیوی مفاد پر ہے ہی نہیں تو پھر تم غور و فکر سے کام کیوں نہیں لیتے۔ انسانوں میں مالی معاملات اور لالچ ہمیشہ رکاوٹ بنتا ہے، جب یہ چیز نہ ہو تو پھر تو بات کو سمجھنے کی کوشش کرنی چاہیے۔

وَ يٰقَوْمِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ يُرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا وَّ يَزِدْكُمْ

اور اے میری قوم کے لوگو! اپنے رب سے بخشش طلب کرو، پھر اس کی طرف توبہ کرو، وہ آسمان سے تم پر بارشیں برسائے

آیت 52 **وَ يٰقَوْمِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ:** ہود علیہ السلام اپنی قوم کو استغفار کا کہہ رہے ہیں اور انھیں سمجھا رہے ہیں کہ شرک سب سے بڑا گناہ اور رب تعالیٰ کو سب سے زیادہ ناراض کرنے والا عمل ہے۔ اس کی وجہ سے بندوں پر بہت زیادہ وبائیں اور بلائیں آتی ہیں، لہٰذا اس سے بچ جاؤ۔ ابن کثیر اور دیگر مفسرین نے بیان کیا ہے کہ قومِ عاد شرک میں بری طرح مبتلا تھی۔ اس قبیح جرم کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے بارش کو طویل عرصہ روکے رکھا جس سے قحط پڑ گیا اور بیماریاں عام ہونے لگیں۔ قومِ عاد کے لوگ بڑی طاقت و قوت والے تھے لیکن قحط اور بارشیں نہ ہونے کی وجہ سے ان کی یہ قوت کمزور ہو رہی تھی۔ بارش اللہ رب العالمین کا ایسا انعام ہے کہ اس کے ساتھ بہت ساری چیزیں وابستہ ہیں۔ جب بارش رک گئی تو یہ لوگ بہت پریشان ہوئے، اس پر ہود علیہ السلام نے کہا کہ کیا تم دیکھتے نہیں ہو کہ جس شرک و کفر اور نافرمانیوں کا تم ارتکاب کر رہے ہو اس کی وجہ سے تم پر اللہ کا عذاب آ رہا ہے۔

نبی کی سوچ بہت اعلیٰ ہوتی ہے۔ عام لوگ جن کے سامنے عقیدہ نہیں ہے، وہ اس طرح کی باتیں کرتے ہیں کہ دراصل جغرافیائی صورتِ حال کچھ ایسی بن گئی ہے، آب و ہوا کا مسئلہ بن گیا ہے اور مون سون کی ہوائیں نہیں آ رہیں، یعنی وہ ان چیزوں کو دنیاوی اسباب سے وابستہ کرتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کی توحید پر ایمان رکھنے والوں کا عقیدہ بہت واضح ہوتا ہے کہ یہ سب کچھ خالقِ کائنات کی طرف سے بطور انعام انسانوں کو ملتا ہے۔ اگر بارش رکتی ہے تو یہ اللہ کا عذاب ہے اور اگر بارش برستی ہے تو یہ رب تعالیٰ کی نعمت کے طور پر ہے۔ بارشوں کا ہونا یا رک جانا محض دنیاوی اسباب اور آب و ہوا کا معاملہ نہیں ہوتا۔ ہوائیں بھی اللہ تعالیٰ ہی چلاتا ہے۔ ایسے ہی کائنات کی باقی سب چیزیں بھی اسی کے کنٹرول میں ہیں۔ اس لیے بندے کی نظر اسباب پر نہیں مسبب الاسباب پر ہونی چاہیے۔ ہود علیہ السلام اپنی قوم کو سمجھا رہے ہیں کہ اگر قحط پڑ گیا اور بارش نہ ہونے سے اس قدر نقصان ہو رہا ہے تو تمھیں چاہیے کہ استغفار کرو، شرک سے باز آ جاؤ اور اپنی غلطی تسلیم کر کے رب تعالیٰ سے اپنے گناہ معاف کروانے کی کوشش کرو۔

ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ: ''پھر اس کی طرف توبہ کرو۔'' مطلب یہ کہ اپنے رویے اور معاملات درست کرو۔ شرک کو چھوڑ کر توحید کو اختیار کرو اور رب تعالیٰ کی نافرمانی کی بجائے اس کی فرماں برداری اختیار کر لو۔ استغفار اور توبہ دونوں چیزیں ضروری ہیں۔ استغفار کا مطلب ہے کہ جو گناہ ہو چکے ہیں ان سے معافی مانگی جائے اور توبہ کا مطلب ہوتا ہے کہ بندہ اپنی اصلاح کر لے۔ یہاں یہ بات بھی سمجھ لیں کہ صرف زبان سے کہہ دینا کہ میں معافی مانگتا ہوں، یہ کافی نہیں ہے، آئندہ کے لیے گناہ چھوڑنے کا عہد اور اعمال کی اصلاح بھی ضروری ہے۔ جب اخلاصِ نیت کے ساتھ توبہ کی جاتی

قُوَّةً اِلٰى قُوَّتِكُمْ وَلَا تَتَوَلَّوْا مُجْرِمِيْنَ ﴿۵۲﴾

گا اور تمھاری قوت کے ساتھ تمھیں مزید قوت دے گا اور مجرم بن کر منہ نہ موڑو ﴿52﴾

ہے تو اللہ تعالیٰ اس سے گناہوں کے اثرات مٹا دیتا ہے۔ ہود علیہ السلام اپنی قوم کو یہی دعوت دے رہے ہیں کہ تم توحید کی دعوت قبول کر کے فرماں برداری کے رویے اختیار کر لو، اللہ تعالیٰ تمھاری غلطیوں، گناہوں اور نافرمانیوں کو معاف فرما دے گا، جیسا کہ حدیث میں ہے: ((أَنَّ الْإِسْلَامَ يَهْدِمُ مَا كَانَ قَبْلَهُ)) [صحيح مسلم، كتاب الإيمان، باب كون الإسلام يهدم ما كان قبله: ١٢١] ''اسلام اپنے سے پہلے (کیے گئے گناہ) ختم کر دیتا ہے۔''

يُرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا: جب تم سچے دل سے توبہ کر کے اپنے رویوں کی اصلاح کرو گے تو اللہ تعالیٰ تم پر آسمانوں سے بارشیں برسائے گا۔ اس سے قحط کے اثرات ختم ہو جائیں گے اور تمھیں جو نقصان اٹھانا پڑ رہے ہیں ان سے بھی تمھیں نجات مل جائے گی۔ یعنی تمھارے حالات مکمل طور پر بدل جائیں گے اور تمھاری کایا ہی بالکل پلٹ جائے گی۔

وَيَزِدْكُمْ قُوَّةً اِلٰى قُوَّتِكُمْ: ''اور تمھاری قوت کے ساتھ تمھیں مزید قوت دے گا۔'' اللہ رب العالمین قومِ عاد کے بارے میں فرماتے ہیں: ﴿الَّتِيْ لَمْ يُخْلَقْ مِثْلُهَا فِي الْبِلَادِ﴾ [الفجر: ٨] یہ اتنے طاقت ور تھے کہ ہم نے ان جیسا شہروں میں دوبارہ پیدا ہی نہیں کیا۔ جب ہود علیہ السلام نے انھیں رب تعالیٰ کے عذاب سے ڈرایا تو انھوں نے کہا کہ جس عذاب کو تم لے کر آنا چاہتے ہو لے آؤ۔ جب قومِ عاد کے لوگوں نے یہ بات کی تو ہود علیہ السلام انھیں توحید کی دعوت پیش کرتے ہوئے سمجھاتے ہیں کہ بندوں کو قوت و طاقت رب تعالیٰ عطا کرتے ہیں۔ تم اپنے دل میں یہ خیال نہ رکھو کہ قوت و طاقت تمھاری اپنی ہے، ساری قوتوں کا مالک درحقیقت اللہ تعالیٰ ہے۔ وہ جو چاہے کر سکتا ہے۔ اگر تم توبہ و استغفار اور اپنی اصلاح کرو گے تو خالقِ کائنات تمھاری پہلی قوتوں میں اضافہ کر کے تمھیں اور زیادہ قوت و طاقت عطا فرمائیں گے۔

جسمانی قوتیں اور صلاحیتیں اللہ رب العزت عطا کرتے ہیں اور ان میں اضافہ بھی اسی ذات باری تعالیٰ کی طرف سے ہوتا ہے۔ ایسے ہی مسلمان ملک اور قومیں ترقیاں کرنا چاہتے ہیں تو ان کے لیے بھی طریقہ یہی ہے لیکن افسوس کی بات ہے حکمرانوں کی سوچ یہ ہوتی ہے کہ مغرب کے ساتھ معاہدے کرو اور سود پر قرض لے کر معاشی ترقیاں کرو۔ عام طور پر ہمارے معاشروں میں یہی ذہن پایا جاتا ہے لیکن انبیاء علیہم السلام کی دعوت یہ نہیں ہے۔ امتِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے طریقہ یہ ہے کہ مسلمان ترقی کرنا چاہتے ہیں تو اپنی اصلاح کریں، معاشرے کا بگاڑ اور نافرمانیاں ختم کر کے توحید کی دعوت عام کریں اور حدود اللہ کو نافذ کیا جائے۔ اسی طرح معاشروں میں رب تعالیٰ کی فرماں برداری کو عام کیا جائے، مسلمانوں کو نماز کا پابند بنایا جائے، زکاۃ کا نظام نافذ کیا جائے اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا فریضہ ادا کیا جائے۔ جب یہ کام

قَالُوْا يٰهُوْدُ مَا جِئْتَنَا بِبَيِّنَةٍ وَّمَا نَحْنُ بِتَارِكِيْٓ اٰلِهَتِنَا عَنْ قَوْلِكَ وَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿۵۳﴾

انھوں نے کہا اے ہود! تم ہمارے پاس کوئی معجزہ لے کر نہیں آئے اور نہ تمھارے کہنے سے ہم اپنے معبودوں کو چھوڑنے والے ہیں اور نہ ہم تمھارے ساتھ ایمان لانے والے ہیں ﴿53﴾

ہو گا تو اس کے ساتھ معاشروں کو نعمتیں ملیں گی اور مسلمان ملک ترقی کریں گے۔

پیچھے مشرکین کی بات ہو رہی تھی تو ان کا طریقہ یہ تھا کہ انھوں نے اپنے ہاتھوں سے بت گھڑ کر جعلی خدا بنا رکھے تھے۔ وہ سمجھتے تھے کہ بارشیں بھی یہ برساتے ہیں اور دوسرے سب کام بھی یہی کرتے ہیں۔ ہود علیہ السلام انھیں سمجھاتے ہیں کہ بت تو تمھارے سامنے پڑے ہیں، اگر قحط کی صورتِ حال پیدا ہوئی ہے تو تم ان سے کیوں نہیں مانگتے اور ان سے کیوں نہیں کہتے کہ تمھارے لیے بارشیں برسائیں۔ حقیقت یہ ہے کہ تمھارے یہ جعلی خدا کچھ نہیں کر سکتے۔ تمھارا اصل گناہ شرک ہے، اسے ختم کرو گے تو بارشیں برسیں گی اور اللہ تمھیں قوت بھی عطا کرے گا اور ترقیوں سے بھی نوازے گا۔

وَلَا تَتَوَلَّوْا مُجْرِمِيْنَ: ''اور مجرم بن کر منہ نہ موڑو۔'' میں تمھیں توحید کی جو دعوت پیش کر رہا ہوں اس میں تمھاری خیر خواہی ہے۔ مجرم سے مراد یہاں شرک کرنے والے لوگ ہیں، یعنی مشرک بن کر منہ موڑتے چلے جانا، دین کی دعوت پر غور نہ کرنا اور مسلسل انکار ہی کرتے رہنا، یہ رویہ درست نہیں ہے۔ تمھیں چاہیے کہ تم میری دعوت پر غور کرو اور اسے دل سے تسلیم کرو۔ اس سے تمھارا جرم ختم ہو جائے گا اور رب تعالیٰ کی نعمتیں میسر آئیں گی۔

آیت 53 قَالُوْا يٰهُوْدُ مَا جِئْتَنَا بِبَيِّنَةٍ: ہود علیہ السلام کی دعوت بہت شان دار اور دلائل پر مبنی تھی لیکن لوگوں نے انکار کے لیے نت نئے بہانے گھڑنا شروع کر دیے۔ پہلی بات انھوں نے یہ کہی کہ جو باتیں تم کر رہے ہو اس کے لیے تمھارے پاس کوئی دلیل نہیں ہے۔ آپ ذرا غور کریں کہ نبی آیات، احکام اور معجزات پیش کر رہے ہیں لیکن قوم کے لوگ کہہ رہے ہیں کہ اس میں دلیل کی کوئی قوت نہیں ہے اور ہمیں تو کوئی خاص بات یا حقیقت نظر نہیں آ رہی۔ یعنی نبی کی بات کو ردّ کرنے کے لیے وہ مذاق کا انداز اختیار کرتے اور اللہ رب العزت کی طرف سے بھیجے گئے احکام اور دعوت کا انکار کر کے اسے غیر اہم بنا کر پیش کرتے تھے۔ جب ضد، ہٹ دھرمی اور تکبر انتہا درجے پر پہنچ جائے تو اس وقت پھر یہ رویے ہوتے ہیں۔ قومِ عاد نے اسی تکبر، بغاوت اور نافرمانی کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ ہم اپنے بتوں اور خداؤں کو چھوڑ کر ایک اللہ کو کیسے تسلیم کر لیں جب کہ ابھی تک تم نے ہمارے سامنے کوئی دلیل ہی پیش نہیں کی اور تم ہمیں قائل ہی نہیں کر سکے۔

اِنْ نَّقُوْلُ اِلَّا اعْتَرٰىكَ بَعْضُ اٰلِهَتِنَا بِسُوْٓءٍ ؕ قَالَ اِنِّيْٓ اُشْهِدُ اللّٰهَ وَ اشْهَدُوْٓا اَنِّيْ
بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ﴿۵۴﴾ مِنْ دُوْنِهٖ فَكِيْدُوْنِيْ جَمِيْعًا ثُمَّ لَا تُنْظِرُوْنِ ﴿۵۵﴾

ہم تو یہی کہتے ہیں کہ ہمارے کسی معبود نے تمھیں کسی مصیبت میں مبتلا کر دیا ہے۔ انھوں نے کہا بے شک میں اللہ کو گواہ بناتا ہوں اور تم بھی گواہ رہو کہ میں تمھارے شریکوں سے بیزار ہوں ﴿54﴾ اس کو چھوڑ کر باقی سب مل کر میرے خلاف تدبیر کرو، پھر مجھے مہلت بھی نہ دو ﴿55﴾

وَ مَا نَحْنُ بِتَارِكِيْٓ اٰلِهَتِنَا عَنْ قَوْلِكَ: تم کیا سمجھتے ہو کہ تمھارے کہنے پر ہم اپنے ان سارے معبودوں کی پوجا ترک کر دیں گے۔ ہم ان کے ساتھ گہری وابستگیاں رکھتے ہیں اور یہ سلسلہ ہمارے باپ دادا سے چلا آ رہا ہے، اس لیے ہم صرف تیرے کہنے پر اپنے رسوم و رواج اور معاشرتی رویوں کو نہیں چھوڑ سکتے۔

وَ مَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِيْنَ: ''اور نہ ہم تمھارے ساتھ ایمان لانے والے ہیں۔'' یہ بالکل صاف اور کھلا انکار ہے۔ جب ڈنکے کی چوٹ پر یہ کیفیت ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حجت قائم ہو جاتی ہے اور پھر یہ نہیں کہا جا سکتا کہ ہمارے پاس تو سمجھانے والے نہیں آئے تھے اور انھوں نے ہمیں دینِ حق کی تعلیمات سے آگاہ کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔

آیت 54 ﴿ اِنْ نَّقُوْلُ اِلَّا اعْتَرٰىكَ بَعْضُ اٰلِهَتِنَا بِسُوْٓءٍ ...: قومِ عاد کے لوگوں نے جب ہود علیہ السلام کی دعوت کا صاف انکار کیا تو ساتھ کہنے لگے کہ ہمارے یہ خدا اتنی طاقت و قوت کے مالک ہیں کہ ان میں سے کسی ایک نے تجھے بھی آسیب زدہ اور پریشان حال کر دیا ہے۔ اس سے تمھاری عقل مسخ ہو گئی ہے اور تم ایسی بہکی بہکی باتیں کر رہے ہو جن میں کوئی حقیقت نہیں ہے۔ تمھاری یہ حالت ہمارے خداؤں کو ناراض کرنے کی وجہ سے ہوئی ہے۔ جب ہمارے خدا اتنی طاقت و قوت کے مالک ہیں تو ہم انھیں چھوڑ کر تمھاری باتوں کو کس طرح مان سکتے ہیں۔ ان کی اس بات کے جواب میں ہود علیہ السلام کہتے ہیں کہ میں اپنے رب کو گواہ بنا کر کہتا ہوں اور تم بھی گواہ ہو جاؤ کہ میں تمھارے اس شرک سے مکمل طور پر بیزار ہوں۔ میں تو تمھیں صرف اس لیے دعوت دے رہا ہوں کہ تم اپنے اس شرک سے باز آ جاؤ اور عذاب سے بچ جاؤ۔

آیت 55 ﴿ مِنْ دُوْنِهٖ فَكِيْدُوْنِيْ جَمِيْعًا ...: ہود علیہ السلام کہتے ہیں کہ تم اپنے ان سارے معبودوں کو جنھیں تم بہت طاقت ور سمجھتے ہو، ان سب کو اکٹھا کرو اور مجھے قتل کرنے کے لیے جو چاہو منصوبہ بناؤ اور تدبیر کر لو، پھر مجھے بالکل بھی ڈھیل اور مہلت نہ دینا کہ میرے بچ نکلنے کا کوئی راستہ نکل آئے۔ ہود علیہ السلام انھیں چیلنج کر رہے ہیں کہ تمھارے یہ سارے جھوٹے خدا مل کر بھی مجھے کسی نقصان سے دوچار نہیں کر سکتے۔ حقیقت ہے کہ داعی حضرات کی دعوت میں یہ پختگی ہونی چاہیے

اِنِّیۡ تَوَکَّلۡتُ عَلَی اللّٰہِ رَبِّیۡ وَ رَبِّکُمۡ ؕ مَا مِنۡ دَآبَّۃٍ اِلَّا ہُوَ اٰخِذٌۢ بِنَاصِیَتِہَا ؕ اِنَّ رَبِّیۡ عَلٰی صِرَاطٍ مُّسۡتَقِیۡمٍ ﴿۵۶﴾

بے شک میں نے اللہ پر بھروسا کیا، جو میرا بھی رب ہے اور تمھارا بھی رب ہے۔ کوئی جاندار ایسا نہیں جس کی پیشانی کو اس نے پکڑ نہ رکھا ہو۔ بے شک میرا رب سیدھی راہ پر ہے ﴿56﴾

اور دعوت دینے والے کو مقابل لوگوں کو دلائل سے سمجھانا چاہیے۔ اگر اس کے بعد بھی وہ قائل ہونے کے لیے تیار نہ ہوں اور چیلنج کرنے پر اتر آئیں تو اس معاملے میں بھی پھر کمزوری نہیں دکھانی چاہیے۔ دعوت کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ایسا ڈھیلا ڈھالا انداز اختیار کیا جائے کہ جو مان لے ٹھیک ہے اور جو نہ مانے وہ بھی ٹھیک ہے۔ بعض صوفی حضرات کا انداز اور دعوت اس قسم کی ہی ہوتی ہے۔ ہود علیہ السلام اپنی قوم سے کہتے ہیں کہ تمھارے خدا مل کر بھی مجھے قتل کرنا چاہیں تو جب تک اللہ نہ چاہے میرا کوئی بال بھی بیکا نہیں کرسکتا۔ دعوت میں یہ چیز بہت بنیادی حیثیت رکھتی ہے۔ بہت سارے لوگوں کو اس سے بھی سمجھ آجاتی ہے۔ جب قوموں کے مزاج بگڑ جائیں تو انھیں یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ تم جو کرسکتے ہو کرلو، جو کچھ بھی ہوگا میرے رب کی طرف سے ہی ہوگا۔

آیت 56 ﴿اِنِّیۡ تَوَکَّلۡتُ عَلَی اللّٰہِ رَبِّیۡ وَ رَبِّکُمۡ : ہود علیہ السلام کہتے ہیں کہ تم نے اپنا سب کچھ اپنے خداؤں اور بتوں سے وابستہ کر رکھا ہے جبکہ میرا توکل تو اپنے اللہ پر ہے۔ اگر وہ مجھے بچانا چاہے گا تو بچالے گا اور اگر میرا کوئی نقصان ہوگا تو وہ بھی میرے رب کے اذن سے ہی ہوگا۔ اپنے بچاؤ کے لیے دنیاوی وسائل کو استعمال کرنا چاہیے، اللہ رب العالمین کا حکم یہی ہے کہ: ﴿خُذُوۡا حِذۡرَکُمۡ﴾ [النساء: ۷۱] اپنے بچاؤ کے لیے جو وسائل استعمال کرسکتے ہو کرو لیکن اس کے بعد کیا ہوگا اور دشمن کا حملہ کامیاب ہوگا یا نہیں؟ یہ سارا معاملہ اپنے رب پر چھوڑ دینا چاہیے اور اس ذات باری تعالیٰ پر بھروسا رکھتے ہوئے اپنے کام کو جاری رکھنا چاہیے۔ ہود علیہ السلام کہتے ہیں کہ میرا رب صرف اللہ ہے جو میرا بھی رب ہے اور تمھارا بھی رب ہے۔ تم میرے خلاف منصوبہ بناتے اور کوشش و محنت کرتے ہو لیکن یہ بات یاد رکھو کہ تمھاری تدبیر بھی میرے اور تمھارے رب کے ہاتھ میں ہے۔ کوئی ذی روح اللہ تعالیٰ کی گرفت سے نہیں بچ سکتا۔ وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔ وہ جب اور جس کو چاہے سزا دے سکتا ہے۔

مَا مِنۡ دَآبَّۃٍ اِلَّا ہُوَ اٰخِذٌۢ بِنَاصِیَتِہَا : کوئی جاندار ایسا نہیں جس کی پیشانی کو اس نے پکڑ نہ رکھا ہو۔ ہر وہ جاندار جو حرکت کرتا ہے اسے "دَآبَّۃٍ" کہتے ہیں۔ فرمایا: ﴿وَ اللّٰہُ خَلَقَ کُلَّ دَآبَّۃٍ مِّنۡ مَّآءٍ ۚ فَمِنۡہُمۡ مَّنۡ یَّمۡشِیۡ عَلٰی بَطۡنِہٖ ۚ وَ مِنۡہُمۡ مَّنۡ یَّمۡشِیۡ عَلٰی رِجۡلَیۡنِ ۚ وَ مِنۡہُمۡ مَّنۡ یَّمۡشِیۡ عَلٰۤی اَرۡبَعٍ ؕ یَخۡلُقُ اللّٰہُ مَا یَشَآءُ ؕ اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ

فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ مَّآ اُرْسِلْتُ بِهٖٓ اِلَيْكُمْ ؕ وَيَسْتَخْلِفُ رَبِّيْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ۚ

پھر اگر تم منہ پھیر لو تو جو پیغام تمھیں پہنچانے کے لیے مجھے بھیجا گیا تھا، میں پہنچا چکا اور میرا رب تمھارے علاوہ کسی اور قوم

قَدِيْرٌ ﴾ [النور: ٤٥] ''اور اللہ نے ہر چلنے والے (جان دار) کو پانی سے پیدا کیا تو ان میں سے کچھ ایسے ہیں جو اپنے پیٹ کے بل چلتے ہیں اور ان میں سے کچھ دو پاؤں پر چلتے ہیں اور ان میں سے وہ بھی ہیں جو چار پاؤں پر چلتے ہیں، اللہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے، یقیناً اللہ ہر چیز پر پوری طرح قادر ہے۔'' اللہ تعالیٰ نے کسی کو دو ٹانگیں دی ہیں تو کسی کو چار دی ہیں، کچھ کو ٹانگیں نہیں دیں تو وہ پیٹ کے بل رینگتے ہیں، جیسا کہ سانپ وغیرہ حرکت کرتے ہیں۔ کائنات میں حرکت کرنے والی سب چیزوں پر اللہ کا کنٹرول ہے۔ اس آیت میں ''اٰخِذٌۢ بِنَاصِيَتِهَا'' کے الفاظ ہیں کہ ہر چیز کی پیشانی اللہ کے قبضے میں ہے۔ پیشانی کے بالوں سے پکڑ کر زیادہ اچھی طرح قابو کیا جا سکتا ہے۔ یہ کنایہ ہے، یعنی مکمل پکڑ میں ہیں۔ اگر اللہ چاہے گا تو یہ چیزیں نقصان دہ ہو سکتی ہیں اور اگر نہ چاہے تو نہیں ہو سکتیں۔ نفع و نقصان کی مالک رب تعالیٰ کی ذات ہے۔ آگ کا کام جلانا ہے لیکن اللہ نہ چاہے تو یہ نہیں جلاتی۔ ایسے ہی بندوق کی گولی انسان کی موت کا باعث بن سکتی ہے، لیکن اللہ نہ چاہے تو ایسا نہیں ہوتا۔ ہر چیز کا خالق اللہ ہے اور کوئی چیز اس کی قدرت سے باہر نہیں ہے۔ بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ جنگوں میں بندوں کے کپڑوں سے گولیاں نکل جاتی ہیں لیکن جسم کو نقصان نہیں پہنچتا۔ بظاہر بندہ سمجھتا ہے کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ تو یہ باتیں اسے سمجھ آتی ہیں جس کا رب تعالیٰ کی ذات پر توکل ہوتا ہے۔ اصل طاقت اور قوت کا مالک وہ اللہ ہے جس کے ''كُنْ'' کہنے سے سب کچھ ہوتا ہے۔

اِنَّ رَبِّيْ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ: ''بے شک میرا رب سیدھی راہ پر ہے۔'' اس کا ایک معنی یہ کیا گیا ہے کہ جو بھی سیدھی راہ پر چلے گا وہ اللہ تک پہنچ جائے گا۔ یعنی رب تعالیٰ تک صراطِ مستقیم پر چلنے سے ہی پہنچا جا سکتا ہے۔ جو راستہ اللہ اور اس کے رسول نے بتایا ہے اس راستے پر چلنے میں ہی کامیابی ہے۔ بعض لوگ اس قسم کی دلیلیں دیتے ہیں کہ جس طرح کسی شہر اور علاقے تک پہنچنے کے لیے مختلف راستوں سے جایا جا سکتا ہے، ایسے ہی جنت میں جانے کے لیے بھی کئی راستے ہیں، جس راستے کے ذریعے بھی تم جاؤ گے پہنچ جاؤ گے، لیکن یہ بات درست نہیں ہے۔ اللہ رب العالمین اور جنت تک پہنچنے کا راستہ ایک ہی ہے، جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَ اَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ ﴾ [الأنعام: ١٥٣] ''اور یہی میرا سیدھا راستہ ہے، لہٰذا تم اس پر چلتے جاؤ۔'' دوسرا معنی اس کا یہ کیا گیا ہے کہ تم جو چاہتے ہو کہتے چلے جاؤ اللہ رب العزت نے اپنا ایک عدل کا نظام قائم کر رکھا ہے۔ وہ کبھی کسی پر ظلم نہیں کرتا۔ اس کے بارے میں یہ تصور نہیں رکھا جا سکتا کہ وہ کسی پر زیادتی کرے گا۔

آیت 57 ﴿ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ . . . : ہود علیہ السلام کہتے ہیں کہ جو پیغام دے کر مجھے بھیجا گیا تھا وہ میں نے تم تک

وَلَا تَضُرُّوْنَهٗ شَيْـًٔا ؕ اِنَّ رَبِّيْ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ حَفِيْظٌ ﴿۵۷﴾

کو تمھاری جگہ آباد کر دے گا اور تم اس کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکو گے۔ بے شک میرا رب ہر چیز پر نگران ہے ﴿57﴾

پہنچا دیا ہے۔ میں نے اپنے مشن کو پورا کیا ہے اور میرا ضمیر اس بات پر مطمئن ہے کہ میں نے دعوت پہنچانے میں کسی قسم کی کوئی کمی نہیں کی۔ داعی حضرات کے لیے دل میں اس اطمینان کا ہونا بہت ضروری ہے کہ کیا واقعتاً میں نے دعوت کا حق ادا کر دیا ہے۔ جب بندہ اس انداز سے سوچتا ہے تو اسے اپنی غلطی اور کوتاہی سمجھ آ جاتی ہے۔ محض دوسروں پر تنقید کرنے اور موردِ الزام ٹھہرانے کا رویہ درست نہیں ہے۔ ہمارے ہاں تقریروں میں ایک دوسرے پر تنقید تو بہت ہوتی ہے لیکن دعوت کے وہ تقاضے جو انبیاء علیہم السلام پورے کرتے تھے، ان کی طرف ہماری توجہ نہیں ہوتی۔ یہی وجہ ہے کہ اس حوالے سے نتیجہ بھی بہت کم نظر آتا ہے۔ صحیح طریقے سے اگر دعوت کا کام کیا جائے تو بہت سارے لوگوں کو ہدایت مل سکتی ہے۔

وَ يَسْتَخْلِفْ رَبِّيْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ: ''اور میرا رب تمھارے علاوہ کسی اور قوم کو تمھاری جگہ آباد کر دے گا۔'' اس میں ایک دھمکی بھی ہے کہ اگر تم انکار کر کے اس سطح پر پہنچ گئے ہو تو پھر اللہ کا عذاب آئے گا۔ اس عذاب کے نتیجہ میں اللہ رب العالمین تمھیں ختم کر کے اس زمین کو پاک کر دے گا۔ خالقِ کائنات ہر کسی کو پیدا کرنے، پالنے اور نظام چلانے والے ہیں۔ یہاں ''رَبِّيْ'' کا لفظ ہے کہ میرا رب اس زمین کو آباد رکھے گا اور تمھاری جگہ دوسرے لوگوں کو لا کر ان بستیوں میں بسا دے گا۔ یہ زمین اللہ کی ہے۔ وہ ہر چیز کا مالک ہے۔ وہ جب چاہتا ہے ایک قوم کو صفحۂ ہستی سے مٹا کر اس کی جگہ دوسری قوم کو لا کر آباد کر دیتا ہے۔ وہ اپنی مرضی سے فیصلے کرتا ہے، کوئی اس کے سامنے دم مارنے والا نہیں ہے۔

وَلَا تَضُرُّوْنَهٗ شَيْـًٔا . . . : ''اور تم اس کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکو گے۔'' اللہ تعالیٰ کسی کی پکڑ کرنا چاہے تو کوئی اسے روک نہیں سکتا اور نہ ہی اس کے نظام میں کوئی خرابی پیدا کر سکتا ہے۔ اللہ کے حکم سے سرتابی کرنے کی کسی میں طاقت اور قوت نہیں ہے۔ فرمایا: ﴿اِنَّ رَبِّيْ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ حَفِيْظٌ﴾ ''بے شک میرا رب ہر چیز پر نگران ہے۔'' یہاں عقیدے کی ایک بہت بڑی غلطی کی اصلاح ہے۔ بعض فلسفی حضرات کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کائنات کی تخلیق کر کے اس میں کچھ اصول وضع کر دیے ہیں۔ رب تعالیٰ کے مقرر کردہ ضابطوں کے مطابق خودکار سسٹم کے تحت سارا نظام چل رہا ہے۔ جب اللہ چاہے گا وہ دنیا کے سارے نظام کو ختم کر دے گا۔ یہ عقیدہ کسی صورت درست نہیں ہے۔ قرآن مجید کی یہ آیت واضح کر رہی ہے کہ اس دنیا میں جو کچھ بھی ہو رہا ہے رب تعالیٰ کی نگرانی میں ہو رہا ہے۔ ہر حرکت اس ذات باری تعالیٰ کے کنٹرول میں ہے اور بے شک اللہ رب العالمین کی ذات ہر چیز پر نگہبان ہے۔

وَلَمَّا جَآءَ اَمۡرُنَا نَجَّيۡنَا هُوۡدًا وَّالَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا مَعَهٗ بِرَحۡمَةٍ مِّنَّا ۚ وَنَجَّيۡنٰهُمۡ مِّنۡ عَذَابٍ غَلِيۡظٍ ﴿۵۸﴾

اور جب ہمارا حکم آ گیا تو ہم نے ہود (علیہ السلام) کو اور جو ان کے ساتھ ایمان لائے تھے، اپنی رحمت کے ساتھ نجات بخش دی اور ہم نے انھیں سخت عذاب سے بچا لیا ﴿58﴾

مشرکین کا عقیدہ یہ تھا کہ خالقِ کائنات نے طاقت اور قوت ہمارے خداؤں میں تقسیم کر دی ہے۔ مشرکینِ مکہ کی طرح پہلے مشرک بھی یہی عقیدہ رکھتے تھے۔ وہ اللہ تعالیٰ کو مانتے تھے لیکن کہتے یہی تھے کہ اس نے اپنی خدائی کے اختیارات بانٹ دیے ہیں۔ کسی کو کسی چیز کا اختیار دے دیا ہے تو کسی کو کوئی اختیار سونپ دیا ہے۔ کوئی بڑا ہے اور کوئی چھوٹا ہے۔ یہ ان کے باطل عقیدے تھے جس پر ہود علیہ السلام انھیں دعوت دے رہے ہیں کہ کائنات کا سارا نظام اللہ چلا رہا ہے کسی کے اختیار میں کچھ نہیں ہے۔ آج کے دور میں پورا سیکولر سسٹم اسی عقیدے کی بنیاد پر قائم ہے۔ قرآن کی ان آیات میں مشرکین اور فلسفیوں کے عقائد کی نفی ہے اور اس بات کو واضح کیا گیا ہے کہ ﴿وَمَا تَسۡقُطُ مِنۡ وَّرَقَةٍ اِلَّا يَعۡلَمُهَا﴾ [الأنعام: ۵۹] اس کائنات میں کسی درخت کا کوئی پتا بھی گرتا ہے تو وہ رب تعالیٰ کے علم کے ساتھ گرتا ہے۔ اس کے حکم کے بغیر کوئی چیز بھی حرکت نہیں کرتی۔ ہر چیز اسی کی نگرانی میں چل رہی ہے۔

آیت 58 ﴿وَلَمَّا جَآءَ اَمۡرُنَا نَجَّيۡنَا هُوۡدًا . . . :﴾ جب قوموں میں بغاوتوں و نافرمانیوں کا معاملہ انتہا پر پہنچ جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ ان کی جگہ دوسری قوموں کو لے آتے ہیں۔ یہ اللہ کا نظام ہے اور تبدیلی کا یہ سلسلہ چلتا رہتا ہے۔ آج بھی دنیا میں کئی طاقت ور ملک ہیں جنھوں نے جدید ٹیکنالوجی، اسلحہ اور وسائل کی بنیاد پر بیشتر ملکوں و علاقوں پر قبضہ کر رکھا ہے اور وہ خود کو دنیا کی سپر پاور سمجھتے ہیں۔ ان سب باطل قوتوں کی مہلت بھی ایک دن ختم ہو جائے گی اور ان کی جگہ دوسری قومیں لے لیں گی۔ ان قوتوں کے بارے میں سوچنا کہ پتا نہیں انھیں کبھی زوال بھی آنا ہے یا نہیں، ایمان اور عقیدے کی کمزوری کی وجہ سے ہے۔ مسلمانوں کا یقین اس بات پر ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ جب چاہے گا انھیں ختم کر دے گا اور یہ اس وقت کچھ بھی نہیں کر سکیں گے۔ ایمان والوں کو فکر اس بات کی ہونی چاہیے کہ ہم رب تعالیٰ کی طرف سے دیے گئے مشن پر عمل پیرا ہیں یا نہیں۔ اس چیز کی طرف توجہ بہت ضروری ہے۔

اللہ رب العالمین فرماتے ہیں کہ ہم نے ہود علیہ السلام اور ان پر ایمان لانے والوں کو نجات دے دی۔ حکم آ جانے سے مراد عذاب کا آنا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قومِ عاد کے لیے عذاب یہ مقرر کیا تھا کہ سات راتیں اور آٹھ دن طوفانی آندھی چلی جس سے ﴿كَاَنَّهُمۡ اَعۡجَازُ نَخۡلٍ خَاوِيَةٍ﴾ [الحاقة: ۷] یہ سارے لوگ یوں کاٹ کر رکھ دیے گئے جس طرح کھجور

وَتِلْكَ عَادٌ ۖ جَحَدُوا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ وَعَصَوْا رُسُلَهُ وَاتَّبَعُوا أَمْرَ كُلِّ جَبَّارٍ عَنِيدٍ ﴿٥٩﴾

اور یہ عاد کے لوگ تھے جنھوں نے اپنے رب کی آیات کا انکار کیا اور اپنے رسولوں کی نافرمانی کی اور ہر جابر، سرکش کے پیچھے چلتے رہے ﴿59﴾

کے تنے کاٹ کر پھینکے گئے ہوتے ہیں۔ یہ قومِ عاد پر آنے والا بہت بڑا عذاب تھا جس میں کوئی نہیں بچ سکا۔ یہاں یہ بات سمجھنے کی ہے کہ موت تو ہر کسی کو آنی ہے، ہود علیہ السلام اور ان کے ساتھی بھی اس دنیا سے رخصت ہو گئے لیکن قوموں میں مقابلے کے دوران اللہ کے عذاب کا دشمنوں پر آنا اور مسلمانوں کا محفوظ رہنا دلیل اور حجت کے طور پر ہوتا ہے۔ ان چیزوں سے اللہ تعالیٰ انسانوں کی رہنمائی کے لیے تاریخ بناتا ہے۔ بعد میں آنے والوں کے لیے اس میں عبرتناک مناظر ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا قومِ عاد پر عذاب کے دوران ہود علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کو محفوظ رکھنا اپنی خاص رحمت کی وجہ سے تھا۔ یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ ہم اپنی تدبیر اور وسائل کی وجہ سے بچ رہے ہیں۔ ایک سچا عقیدہ رکھنے والا مسلمان اپنی سب کامیابیوں کو اللہ رب العزت کی طرف منسوب کرتا ہے اور سمجھتا ہے کہ فتح و کامیابی اور کامرانی کا ملنا رب تعالیٰ کے فضل کے سبب ہی ہے۔

وَنَجَّيْنَاهُمْ مِنْ عَذَابٍ غَلِيظٍ: ''اور ہم نے انھیں سخت عذاب سے بچا لیا۔'' اس سے مراد آخرت کا عذاب ہے۔ اللہ رب العالمین فرماتے ہیں کہ ہم نے انھیں دنیا میں آنے والے عذاب سے بچایا اور آخرت میں دوزخ کے عذاب سے بھی محفوظ رکھیں گے۔ یہی اصل کامیابی ہے۔

آیت 59 ﴿وَتِلْكَ عَادٌ ۖ جَحَدُوا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ: اللہ تعالیٰ کا عذاب آنے سے قومِ عاد صفحۂ ہستی سے مٹ گئی۔ صرف چند لوگ بچے جو ہود علیہ السلام پر ایمان لائے تھے۔ اس آیت میں رب تعالیٰ نے قومِ عاد کی طرف سے خالقِ کائنات کی آیات کا انکار کرنے کے متعلق بات کی ہے۔ وہ ہود علیہ السلام کی دعوت اور ان کی طرف سے پیش کردہ معجزات کا انکار کرتے تھے۔ آیات میں کتابیں، صحیفے اور نبیوں کے معجزات سب آجاتے ہیں۔ ان دلائل کا انکار کرنا ہی قومِ عاد کی تباہی و بربادی کا سبب بنا۔

وَعَصَوْا رُسُلَهُ: ''اور اپنے رسولوں کی نافرمانی کی۔'' رسول تو ان کے ایک ہی تھے لیکن یہاں پر ''رُسُلٌ'' جمع کا لفظ آیا ہے۔ اس کا مطلب یہ بیان کیا جاتا ہے کہ کسی ایک رسول کا انکار حقیقت میں سب رسولوں کا انکار ہوتا ہے۔ اس آیت میں یہ بات بھی واضح کی جارہی ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ ہود علیہ السلام کی جگہ کسی اور رسول کو بھیجتے تو انھوں نے اس کا بھی انکار کرنا تھا۔ اللہ کا عذاب ایسے ہی نہیں آتا، جب حجت پوری ہو جاتی ہے تو پھر رب تعالیٰ کی پکڑ آتی ہے۔

وَ اُتْبِعُوْا فِیْ هٰذِهِ الدُّنْیَا لَعْنَةً وَّ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ ؕ اَلَاۤ اِنَّ عَادًا كَفَرُوْا رَبَّهُمْ ؕ
اَلَا بُعْدًا لِّعَادٍ قَوْمِ هُوْدٍ ﴿۶۰﴾ ع ۵

اور اس دنیا میں لعنت ان کے پیچھے لگی رہی اور قیامت کے دن بھی (لگی رہے گی) خبر دار! بے شک عاد کے لوگ تھے جنھوں نے اپنے رب سے کفر کیا۔ خبر دار! ہود کی قوم عاد کے لیے بڑی ہلاکت تھی ﴿60﴾

وَ اتَّبَعُوْۤا اَمْرَ كُلِّ جَبَّارٍ عَنِیْدٍ: ''اور ہر جابر، سرکش کے پیچھے چلتے رہے۔'' وہ اللہ کے رسول کی بات ماننے اور دلائل پر غور وفکر کرنے کی بجائے بڑے بڑے سرداروں کے پیچھے چل پڑے۔ وہ بہت زیادہ عداوت رکھنے والے تھے۔ دین حق کی دشمنی میں مبتلا لوگوں کے پیچھے چل کر انھوں نے کہا کہ یہ ہمارے بڑے ہیں اور ان کے نظریات بہت شان دار ہیں۔ جب نبیوں کی اطاعت نہیں ہوتی تو پھر دنیا میں عبادت کے خود ساختہ سلسلے ایجاد ہو جاتے ہیں۔ ہر طریقے کے پیچھے ایک بڑا پیشوا ہوتا ہے جس کے پیچھے لوگ چل پڑتے ہیں۔ یہ چیز لوگوں کی تباہی کا باعث بنتی ہے۔ معاشروں میں انتشار و افتراق اور اختلاف کا پیدا ہونا فکری و عملی بگاڑ کا باعث بنتا ہے۔ جب اللہ کے رسول کی پیروی اور وحی کی پابندی کی جائے تو نہ فرقے پروان چڑھتے ہیں اور نہ ہی قوموں میں جھگڑے اور فساد پیدا ہوتے ہیں۔

آیت 60 ﴿ وَ اُتْبِعُوْا فِیْ هٰذِهِ الدُّنْیَا لَعْنَةً وَّ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ: جب اللہ کا عذاب آیا تو دنیا میں بھی ان پر لعنتیں برسیں اور آخرت میں بھی لعنتیں برسیں گی۔ اصل ناکامی دوزخ کی صورت میں عذاب کا ملنا ہے۔ دنیا میں تکلیف آنے کے بعد آخرت میں بچ گئے تو پھر بھی گویا بچت ہوگئی لیکن تباہ اور ہلاک ہونے والے درحقیقت وہ ہیں جو دنیا کی طرح آخرت میں بھی ملعون قرار دیے جائیں گے۔ یہ باتیں بیان کر کے مشرکینِ مکہ کو دعوت دی جارہی ہے کہ تم بھی اپنے نبی کا انکار نہ کرو ورنہ تمھاری دنیا اور آخرت برباد ہو جائے گی۔

اَلَاۤ اِنَّ عَادًا كَفَرُوْا رَبَّهُمْ . . . : ''خبر دار! بے شک عاد کے لوگ تھے جنھوں نے اپنے رب سے کفر کیا۔''

''اَلَا'' کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سب کو سمجھا رہا ہے اور امتِ محمد ﷺ کو دعوت دے رہا ہے کہ تم بھی اس حقیقت کو پہچان لو کہ عادیوں پر اتنا بڑا عذاب اس لیے آیا کہ انھوں نے اپنے رب کا انکار کیا تھا۔ شرک اور کفر اللہ کی پکڑ اور اس کے عذاب کا باعث بنتے ہیں۔ فرمایا: ﴿ اَلَا بُعْدًا لِّعَادٍ قَوْمِ هُوْدٍ ﴾ ''خبر دار! ہود کی قوم عاد کے لیے بڑی ہلاکت تھی۔''

رب تعالیٰ کی رحمت سے دوری سے مراد لعنت کا برسنا اور اس کا عذاب ہے۔ امتِ محمد ﷺ کی نجات اسی میں ہے کہ وہ نبی ﷺ کی اطاعت کریں اور دین پر صحیح معنوں میں عمل پیرا ہوں۔ اغیار کی تابعداری چھوڑے بغیر دنیا اور آخرت میں رب تعالیٰ کے عذاب سے بچنا کسی صورت ممکن نہیں ہے۔